ڈاکٹر سبینہ اویس
اُستاد، شعبۂ اُردو
گورنمنٹ کالج وومن یونی ورسٹی، سیالکوٹ

اقبالؔ کی اُردو شاعری میں مزاحمتی عناصر

ABSTRACT

Resistance elements in Iqbal's Urdu poetry
By Dr. Sabina Awais, Lecturer in Urdu, Govt Post Graduate College for Women, Sialkot.

Resistance literature has become very popular in Urdu during the last few decades. But resistance has always been a topic of Urdu's literary works and it is not a new phenomenon. In Iqbal's poetry, too, there are some elements of resistance. This article traces and evaluates the resistance elements found in Iqbal's Urdu poetry.

مزاحمت عربی زبان کے لفظ ''زحمۃ'' سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی حریف سے ٹکرانے یا مدافعت کے ہیں۔ مزاحمت سے مراد وہ طرزِ عمل ہے جو کسی ناموافق صورتِ حالات یا حرکت و عمل کو ناکارہ بنانے یا اس کے توڑ پر استعمال کیا جائے۔ مزاحمت انسانی سرشت میں شامل ہے۔ اس کی ابتدا غالباً اُسی وقت ہو گئی تھی جب فرمانِ الٰہی کے منع کے باوجود حضرت آدم نے شجرِ ممنوعہ کو ہاتھ لگایا اور معتوب ہوئے۔ انسانی تاریخ کا اگر جائزہ لیا جائے تو مزاحمت کی یہی وہ انسانی جبلّت تھی جس کے زیرِ اثر سقراط نے زہر کا پیالہ پیا مگر سچ کا دامن نہ چھوڑا۔

دُنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کی طرح اُردو شعر و ادب میں بھی مزاحمت کی مستحکم روایت پائی جاتی ہے چوں کہ اُردو زبان و ادب کے ڈورے صوفیانہ ملفوظات سے ملتے ہیں۔ مزاحمت کی روایت کا سراغ اُردو ادب کے اسی تشکیلی دور میں لگایا جا سکتا ہے۔ ظاہر پرستی کی مخالفت صوفیانہ شعری روایت کا بنیادی عنصر ہے اس لیے جب بھی ملائیت نے اہلِ اقتدار کے خلاف غلط فیصلوں پر مہرِ توثیق ثبت کی۔ طریقت نے اس کے خلاف آواز اُٹھائی۔ مزاحمتی اُردو شاعری کا زندہ استعارہ اور اناالحق کا دعویٰ کرنے والا منصور بن حلاج بھی اسی روایت کا ایک جان دار استعارہ ہے اور اُردو زبان و ادب کے ابتدائی دور میں جعفر زٹلی کی شاعری میں بھی مزاحمت کے عناصر ملتے ہیں۔ جعفر زٹلی کے بعد مزاحمتی شاعری کے حوالے سے میر و سودا، اکبر الٰہ آبادی، فیض، مجید امجد، حبیب جالب کے نام بھی لیے جاتے ہیں۔ لیکن ان تمام ناموں کے علاوہ ایک نام ایسا بھی ہے جو احتجاج، مزاحمت اور انقلاب کے حوالے سے بہت اہم ہے اور وہ ہے شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال کا۔

۱۸۵۷ء کی شکست خوردہ قوم میں نئی روح پھونکنے کے لیے حالیؔ اور اُن کے رفقا نے جو شعری روایت قائم کی اس

کی ایک کامیاب صورت اقبال کی شاعری میں نظر آتی ہے۔ اقبال نے ابتدا میں ''نیا شوالہ'' جیسی نظموں میں فرقہ پرستی کی مذمت کی۔ بعد میں اُنھوں نے ملتِ اسلامیہ کے فکری و عملی جمود اور مغربی تہذیب کو ہدفِ ملامت بنایا۔

ساقی شیر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی (۱)

بیسویں صدی کی ابتدا میں نو آبادیاتی نظام اپنے عروج پر تھا اور غلامی کی اس تقسیم نے سماج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا جو طبقہ اس نظام کے خلاف تھا اور فکری عملی جہاد کر رہا تھا اقبال کا تعلق اسی طبقے سے تھا۔ اقبال نے اپنی شاعری کو بھی ایک نئی روایت سے آشنا کیا اور معاشرتی سطح پر بھی ایک تبدیلی کا احساس پیدا کیا۔ اقبال ایشیائی اور افریقی ممالک پر یورپ کی نو آبادیاتی طاقتوں کے تسلط کے حوالے سے ہی فرنگ کو خبردار کرتے ہیں:

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زرِ کم عیار ہوگا (۲)

ایک جگہ فرماتے ہیں:

شفق نہیں مغربی افق پر یہ جوئے خون ہے
طلوعِ فردا کا منتظر رہ کہ دوش و امروز ہے فسانہ

ڈاکٹر رضی الدین صدیقی لکھتے ہیں:

''علامہ اقبال کا یہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے کہ اس دور میں جب نو آبادیاتی اور استعمار پیشہ مغرب، ایشیائی اور افریقی ممالک کی رگِ جاں کو اپنے دانتوں سے کاٹ کر ان کا لہو چوس رہا تھا۔ اقبال نے پنجاب میں بیٹھ کر غلامی کے خلاف اعلانِ جہاد کیا...... اقبال جانتے تھے کہ جو سلوک برِصغیر کے ساتھ ہو رہا ہے وہی کچھ انڈونیشیا سے مراکش تک کی سرزمین کے ساتھ برتا جا رہا ہے۔ چناں چہ وہ پوری محکوم دنیا کا ضمیر بن کر اُٹھے اور غلامی کے خلاف شدید نفرت کا اظہار کیا (۳)۔''

اقبال کو جبر و استبداد کا انجام معلوم ہے اُن کا کلام بنی نوعِ انسان کے لیے تھا خواہ وہ مغرب میں مقیم ہوں یا مشرق میں۔ اُن کا لب و لہجہ محض مقامی و ملی نہیں بل کہ ہمہ گیر و آفاقی ہے۔

پروفیسر اسلوب احمد انصاری لکھتے ہیں:

''یہ امر اقبال کی وسیع المشربی پر دال ہے کہ اُن کی نظر صرف مسلمانوں کے حالِ زار

پر ہی نہیں بل کہ ایشیائی اقوام کی پوری برادری پر پڑتی ہے وہ ان کے اندر عزم و
ہمت اور استقامت کی ایک نئی کیفیت کو جگانا چاہتے ہیں (۴)۔''

اقبال نے مغربی تہذیب اور اس کے فکر وعمل کا پورا جائزہ لیا اور انھیں مغرب کی تعمیر میں خرابی نظر آنے لگی اُنھوں نے مغربی تہذیب کے نقائص چن چن کر گنوائے۔ اقبال نے دیکھا کہ کمزور اقوام کو غلام بنانا اور لوٹنا اس تہذیب کا شیوہ ہے اور ان اقوام کو بہت سی دولت اسی لوٹ سے حاصل ہوتی ہے۔ مغرب کی ظاہری ترقی آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے لیکن اس میں حقیقی انسانیت کا جوہر ماند پڑ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال مغرب میں ہی اس کے دشمن ہو گئے۔ اقبال کی طبیعت میں مغرب کے خلاف غصہ اور احتجاج کا دوسرا سبب نہ صرف اپنے ملک وملت کی غلامی تھی جو مغرب کے غلبے سے طبائع پر ظاہر ہو رہی تھی بل کہ تمام عالم اسلام غلبہ فرنگ کی زد میں آ گیا تھا۔ اقبال اس صورتِ حالات میں شکستہ خاطر مسلمانوں کو تاریخی حوالے سے تسلی بھی دیتے ہیں کہ اسلام نہیں مٹ سکتا۔ اسلام کو مٹانے والے تا تاریوں نے بہت جلد اسلام ہی کی حلقہ بگوشی اختیار کی۔ خلیفہ عبدالحکیم ''فکرِ اقبال'' میں لکھتے ہیں:

''لیکن ان تسلیوں کے باوجود اقبال کا دل غلبہ فرنگ سے مجروح تھا۔ وہ اس کی
تہذیب کی کیا داد دیتا جس کی بدولت مسلمانوں کی رہی سہی آزادی اور ملت کی
خودداری غارت ہو رہی تھی (۵)۔''

اقبال نے مغرب اور مغربی تہذیب کو ایک خاص عینک سے دیکھا۔ مغربی تہذیب کے متعلق ''بالِ جبریل'' میں لکھتے ہیں:

تاک میں مدت سے بیٹھے ہیں یہودی سود خوار
جن کی خوں خوں کے آگے ہیچ ہے زورِ پلنگ
خود بخود گرنے کو ہے پکے پھل کی طرح
دیکھیے گرتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ (۶)

اقبال کی شاعری سے مترشح ہوتا ہے کہ اقبال یورپ سے اعلیٰ تعلیم اور علم وفکر تولے کر وطن واپس آئے لیکن مغرب سے ناآسودہ و بے زار لوٹے۔ مغرب ان کے قلب ونظر کا مطمح نظر اور ان کے درد وغم کی پناہ گاہ نہ بن سکا۔ علم وفن اور تہذیب وتمدن کے تیز قمقمے اُن کی آنکھوں کو خیرہ نہ کر سکے۔ بل کہ اُن کی نظر میں گھر کے چراغوں کی قدر و قیمت اور بڑھ گئی۔ چناں چہ وہ یورپ سے اوروں کی طرح مرعوب ومسحور ہو کر نہیں لوٹے بل کہ مطرب کے خلاف بغاوت کے عناصر اُن کی طبیعت میں پہلے سے بھی زیادہ قوی ہو گئے۔ اُن کے نزدیک یورپی اقوام کا عقلیت پر زور، مشینی ایجادات پر بے جا

افتخار، کائنات کی مادی تعبیرات اور روحانیت سے بے نیازی و اجتناب ایسی چیزیں ہیں جو مغربی تمدن کے حق میں سمِ قاتل ثابت ہوں گی۔ افتخار احمد صدیقی اِس حوالے سے رقم طراز ہیں:

''اقبال کے سامنے مغرب کے نظامِ معاشرت کے یہ تمام پہلو موجود تھے۔ اور اس ملحدانہ تہذیب کے تاریخی پس منظر پر گہری نظر ڈالنے کے بعد اُنھوں نے مارچ ۱۹۰۷ء کی غزل میں اس تہذیب کے زوال اور اس کے ہولناک نتائج کے بارے میں جو پیش گوئی کی وہ حرف بہ حرف صحیح نکلی۔ اقبال نے یہ پیش گوئی شپنگلر سے پہلے، اسی زمانے میں کی جب اہلِ مغرب کی مادی ترقی اور سیاسی اقتدار اپنے معراجِ کمال تک پہنچ چکا تھا۔ گذشتہ دو عالم گیر جنگوں کی تباہیاں دیکھنے کے بعد خود یورپ کے انسان دوست مفکرین بھی آج وہی باتیں کہہ رہے ہیں جو نصف صدی قبل اقبال نے کہی تھیں:

تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہوگا
دیارِ مغرب کے رہنے والو، خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا (۷)

کلامِ اقبال اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اُنھوں نے مغربی فکر اور کلچر کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کا تجزیہ کیا اور مشرق کے اصل مسئلہ کو محسوس کیا۔ یوں اُنھوں نے ''اصل دشمن'' کا سراغ بھی لگایا اور بیماری کا علاج بھی تجویز کیا۔

اقبال کو برِّعظیم کے مسلمانوں کی پس ماندگی اور ان کے ساتھ کی جانے والی معاشرتی ناانصافیوں کا شدت سے احساس تھا۔ اُنھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے اس صورتِ حالات کے خلاف بھرپور آواز بلند کی۔ ۱۹۱۷ء میں روس میں اشتراکی انقلاب برپا ہوا۔ اقبال اس نظام کی مادیت والحاد کو پسند نہیں کرتے تھے مگر چوں کہ سرمایہ داروں کی مخالفت اور غریبوں کی حمایت ان کو عزیز تھی اس لیے اُنھوں نے اس نظام کی جزواً تعریف کی، غریبوں، مزدوروں اور عام محنت کشوں کی حمایت میں اقبال نے زورِ قلم صرف کیا اقبال معاشرتی انصاف سے وابستگی کے مظہر ہیں۔ کبوتر، ممولا، کنجشک در اصل عقاب، شاہین، شہباز جیسے قوی پرندوں کے مقابلے میں کمزوری کا استعارہ ہیں اقبال بالِ جبریل میں کہتے ہیں:

اُٹھا ساقیا پردہ اس راز سے
لڑا دے ممولے کو شہباز سے

گرماؤ غریبوں کا لہو سوزِ یقین سے
کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑادو(۸)

اقبال نظامِ سرمایہ داری کے بے حد مخالف تھے وہ اس نظام کو بدل دینے کا درس دیتے ہیں۔اس کو ناپائیداری کا فیصلہ سناتے ہیں اور کہیں کہیں اس نظام کے رُو بہ انحطاط ہونے کے آثار دیکھتے ہیں۔

گیا دورِ سرمایہ داری گیا
تماشا دکھا کر مداری گیا(۹)

نظامِ سرمایہ داری میں اقبال صرف ساہوکاروں، بینک کاروں، کارخانے داروں اور بے رحم امراء کے خلاف ہی نہ تھے بل کہ ان کے وابستگان بھی،صوفی ہوں یا ملا،فقیہ ہوں یا مفتی،اُن کی نگاہ میں معتوب اور قابلِ ملامت تھے۔

اقبال اپنی شاعری میں سرمایہ پرستی کے دور کے ختم کی درخواست کرتے ہیں۔ پروفیسر الِ احمد سرور لکھتے ہیں:

''......اب وہ سرمایہ پرستی کے سفینے کے ڈوبنے کی التجا کرتے ہیں۔وہ سلطانِ جمہور کی خاطر نقشِ کہن کو مٹانے کے لیے بھی تیار ہیں۔اس کھیت کو جلانے کے لیے بھی تیار ہو جاتے ہیں جس سے دہقان کو روزی میسر نہ ہو(۱۰)۔''

اقبال معاشی وسیاسی جبر کے خلاف تھے اقبال کی نظم ''لینن خدا کے حضور میں'' مزاحمت کی عمدہ مثال ہے۔اقبال استحصال کے خلاف نبرد آزما ہے اُن کے درج ذیل اشعار میں شاعر خدا سے بھی سوال کرتا ہے:

وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود
وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات؟
مشرق کے خداوند سفیرانِ فرنگی
مغرب کے خداوند درخشندہ فلزات(۱۱)
یہ علم یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات(۱۲)

اقبال موجودہ نظام سے غیر مطمئن ہیں اس لیے وہ جہانِ دگر کی خواہش کرتے ہیں اور اس جہانِ نو کا خالق غریب اور مزدور کو قرار دیتے ہیں۔اقبال ہر اس تہذیب اور نظام کو اکھاڑ دینے کی تلقین کرتے ہیں جو استحصال اور جبر کو جنم دیتا ہو۔ انھوں نے نسل،قومیت،کلیسا،سلطنت،تہذیب کو سرمایہ داری کے بنائے ہوئے مسکرات کہا ہے جن کی مدد سے غریب عوام کے فکر کو مفلوج کیا گیا ہے۔خضرراہ میں سرمایہ ومحنت کے عنوان کے تحت اقبال اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دارِ حیلہ گر
شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
دستِ دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
ساحر الموت نے تجھ کو دیا برگِ حشیش
اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخِ نبات
نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات (۱۳)

اقبال معاشی ناہمواری اور عدم مساوات کے خلاف تھے۔ مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام نے حکمت و تدبر کا جو جال پھیلایا اور جمہوریت کے نام پر حاکم و محکوم میں جو تفریق کی، اقبال اپنے فکر و شعر میں اُس کے خلاف مصروفِ جہاد رہے۔ اُنھوں نے لینن کی زبانی خدا کے حضور مغربی استعمار اور عوام کی زبوں حالی کا نقشہ کھینچا وہ اُن کے فکر و احساس کا عکاس ہے۔ غلام حسین ذوالفقار اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ اقبال معاشی عدم مساوات کے روگ کو بڑی شدت سے محسوس کر رہے تھے جس نے مغرب کی تمدنی تاریخ میں افراط و تفریط کی ہولناک صورت پیدا کر دی تھی۔ پہلے ملوکیت کے نام پر انسان انسانوں کے گلے کاٹتا پھرتا تھا، پھر سرمایہ داری، جمہوریت اور وطنیت کے نام پر یہی کچھ ہوا، اور اس کے بعد اشتراکیت نے اپنا جال پھیلایا تو یہاں بھی سلطائِ جمہور کے نام پر چند مقتدر افراد (پولٹ بیورو) نے انسانوں کے گلے کاٹے اور پھر ان سے رونے اور سسکنے کی قوت بھی سلب کر لی۔ معاشی ناہمواری کو دور کرنے کے نام پر چند بورژوا دانش وروں کا ہمہ مقتدر بن جانا اور کروڑوں انسانوں کو آزادیِ ضمیر اور حریتِ فکر سے محروم کر کے اُنھیں حیوانوں کے درجے تک پہنچا دینا یہ تاریخِ انسانی کا ایک ایسا الم انگیز سانحہ ہے جسے انسانیت کا کوئی بہی خواہ بھی پسند نہیں کر سکتا۔ چہ جائے کہ اقبال جیسا انسان دوست شاعر اور حق شناس مفکر جو فرد کی خودی کا تصور لے کر ہی آگے بڑھتا ہے، اور دنیا میں ہر نوع کے استحصال سے پاک، ایسے معاشرے کا تصور پیش کرتا ہے جس

میں اخوت اور مساوات کی حکومت ہو اور جس کا ہر فرد...... خدائے لاشریک کے
حضور اپنے اعمالِ زشت وخوب کے لیے جواب دہ ہو(۱۴)۔''

اقبال کے خیالات حقیقت پر مبنی ہیں۔ اقبال استحصالی عناصر کے خاتمے کے خواہش مند ہیں اسی کی خاطر وہ انقلاب کی بات کرتے ہیں ایسے انقلاب کی جو کھوکھلے اور فرسودہ نظام کو ختم کرے جو کاخِ امراء کے لیے سیلاب بن جائے اور مزدور کے دور کا آغاز کرے۔ اقبال بانگِ درا میں حضرت خضر بندۂ مزدور کو پیغامِ انقلاب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے(۱۵)

ڈاکٹر اے بی اشرف لکھتے ہیں:

''......وہ ایک ایسا انقلابی معاشرہ تشکیل دینا چاہتے ہیں جس میں انسان تسخیرِ فطرت کرے۔ مادی مسائل کو بلا امتیاز سوسائٹی کے تصرف میں لائے۔ اس کے راستے میں استحصالی قوتیں حائل نہ ہوسکیں۔ وہ ایک ایسی سوسائٹی کو قائم دیکھنا چاہتے تھے جو احترامِ آدمیت کی بنیادوں پر استوار ہو۔ جہاں انسان انسان کی تذلیل نہ کر سکے۔ جہاں آدم قاتلِ آدم نہ بن سکے(۱۶)۔''

اقبال مزدور کو خواجہ کا دست نگر اور محتاج دیکھنا پسند نہیں کرتے بل کہ اسے اپنی قوت اور خودی کے بل بوتے پر ''رہزنانِ چمن'' سے انتقام لینے اور انقلاب برپا کرنے کا درس دیتے ہیں۔ اقبال کا نظریہ انقلاب عصائے کلیمی کا حامل ہے کیوں کہ اُن کے نزدیک دنیا کے ہر نظریے کی ترویج ایک حد تک طاقت کی منت کش رہی ہے۔

اقبال تعلیم اور فنِ تعلیم پر بھی بھرپور توجہ دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک ایسی تعلیم جو فرد میں یقین، خود اعتمادی، علم کی جستجو کا ولولہ، خودی کی تعمیر پیدا کرے وہ بہتر ہے۔ اقبال کے نزدیک تعلیم کے اعلیٰ مقاصد کے لیے ضروری ہے کہ ماحول اُن عناصر سے پاک ہو جو طالب علموں میں محکومانہ یا غلامانہ عناصر پیدا کرے خواہ یہ محکومی اور غلامی سیاسی ہو، سماجی و نفسیاتی ہو یا معاشی۔ اس سلسلے میں اقبال کو اساتذہ اور طلبہ سے شکایت ہے کہ وہ ان تعلیمی مقاصد کو پورا نہیں کر رہے جن کا تعلق فرد و جماعت کو خوف و محرومی کے جذبات سے آزاد کرنے اور ان میں عمل و یقین، سعی و جدوجہد کی امنگیں پیدا کرنے سے ہے۔ کہتے ہیں:

شکایت ہے مجھے یا رب خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا(۱۷)

اقبال ایسا نظامِ تعلیم چاہتے ہیں جس میں مشرق و مغرب کی ساری خوبیاں مجتمع ہوں جس میں تعلیم و تربیت پا کر

ایک فرد متوازن و مکمل شخصیت کا حامل بن سکے۔ اقبال کو احساس تھا کہ مغرب کا نظامِ تعلیم مشرق کے مقابلے میں بہ ہر حال فکر انگیز اور زندگی افروز ہے۔ ہر چند کہ اس کی بنیاد عقل یعنی مادی ترقیوں پر ہے۔ بایں ہمہ اس کی کامرانیاں قابل رشک ہیں۔ اس نے زمین کے چپے چپے کو فردوس بنا دیا ہے اور مشرق ابھی تک خیالی جنت کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہے۔ کہتے ہیں:

فردوس جو تیرا ہے کسی نے نہیں دیکھا

افرنگ کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند (۱۸)

بیسویں صدی کی ابتدا میں ہندو قومیت کے جارحانہ عزائم، فرقہ وارانہ کش مکش اور فسادات کی صورت میں ظاہر ہونے لگے۔ شاعر یہ تمام مناظر دیکھ کر تڑپ اُٹھے کہ ان کے پیارے وطن میں انسانوں کے خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ نفرت اور عداوت کی اس زہر آلود فضا میں ان کا دم گھٹنے لگا۔ شاعر اس ماحول سے بہت بےزار ہے انھیں یہاں سکوت بھی گوارا نہیں۔ اُنھوں نے اپنی ایک نظم ''صدائے درد'' میں کرب و اضطراب کی کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہے:

جل رہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے

ہاں ڈبو دے اے محیط آب گنگا تو مجھے (۱۹)

اقبال کو دُکھ ہے کہ سرزمین ہند کے لوگ اپنے انجام سے بےخبر، مذہب و ملت کی آویزشوں، مذہبی تعصب، فرقہ آرائی، من و تو کے جھگڑوں، ملت و آئین کی تمیز میں مبتلا ہیں۔ محولہ بالا حالات میں اغیار کو اہل ملک کے استحصال کا موقع مل رہا ہے۔ ان امراض کا اعلاج ظاہری اختلافات کو ختم کرنے، مذہب کی اصل روح محبت کو پروان چڑھانے، دل میں وحدت کی شمع روشن کرنے میں ہے۔ اقبال انسانیت کے پرستار اور امن و محبت کے پیغام بر تھے۔ اُنھیں احساس ہے کہ وہ اپنی قوم کو انقلابی نوعیت کا پیغام دے رہے ہیں اور اس ضمن میں عام ذہنی رجحانات اور رویوں کے خلاف احتجاجاً تلخ نوائی سے بھی کام لیتے ہیں۔ وہ جس حقیقت کو پوری شدت سے اپنے دل میں محسوس کر رہے ہیں اس کے اظہار پر مجبور ہیں۔ کیوں کہ اُن کا درد و غم اجتماعی ہے۔ اگرچہ اقبال کے دور میں قوم پر جمود طاری تھا۔ علامہ نے اس کو حرکت عطا فرمائی اور بتایا کہ اگر مسلمان اپنی دنیا آپ پیدا کر کے زندوں میں شامل نہیں ہوگا اور زندانِ تقدیر پر رہے گا تو پھر ہستی سے مٹ جائے گا۔ اپنے اہل وطن کو تنبیہ کرتے ہیں:

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو

تمھاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں (۲۰)

اقبال کا روئے سخن اقوامِ مشرق کی جانب ہے وہ مسلم ملت کی مسلسل نشو و نما چاہتے ہیں۔ وہ یورپ کے متعلق کچھ

نہیں کہتے اُن کے مطابق یورپ اپنی ہی تلوار سے گھائل ہو چکا ہے۔اس کی تہذیب نے اپنے خنجر سے خودکشی کر لی ہے۔
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اقوامِ مشرق کو عروج کیسے حاصل ہو۔اقبال کو یقین ہے وہ والہانہ انداز میں کہتے ہیں:

نکل کر صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے مَیں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا(۲۱)

اقبال جس اہم تبدیلی کے مبلغ رہے ہیں وہ دراصل انسانی رویوں میں انقلاب کا تصور ہے وہ اس کے لیے تطہیر قلب کے قائل ہیں چوں کہ تغیر ارتقاء کا ضامن ہے اور ارتقاء انسانی زندگی کا،لہٰذا اقبال عدم تغیر کو موت سے تعبیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

جس میں نہ ہو انقلاب،موت ہے وہ زندگی
روحِ اُمم کی حیات،کش مکشِ انقلاب(۲۲)

اقبال نے ایک انقلابی شاعر کی حیثیت سے دیکھا کہ ملت کا نوجوان شہ رو اور تاریک جان ہے۔اس کے عزائم مغرب کی تقلید سے پست ہو گئے ہیں وہ روح سے غافل ہے اور بدن کی آرایش میں محو ہے۔تن آسانی اس کا شیوہ بن گئی ہے وہ اپنی زبان،اپنے لباس،اپنی تہذیب سے بے گانہ ہو گیا ہے۔وہ دوسری زبان مستعار لے کر گفت گو کرتا ہے اس کی روح تاریخ ہے وہ بلند عزائم سے محروم ہے۔اقبال نے اپنی شاعری کو برِصغیر پاک و ہند کی عوام کے لیے وقف کیا۔وہ عوام کی زندگی میں مثبت تبدیلیوں کے خواہش مند تھے۔وہ ایک ایسے تعمیری انقلاب کے داعی تھے جس میں ایک روشن مستقبل کی چمک دکھائی دے۔ڈاکٹر اے بی اشرف لکھتے ہیں:

''اقبال زندگی کی مثبت قدروں کے شاعر ہیں......اقبال کے کلام کا فکری پس منظر انسانی سوسائٹی کا زوال اور عروجِ آدم کی آرزو اور خواہش کا اظہار ہے۔ان کے عظیم سماجی اور عمرانی خیالات صحت مند تہذیبی رویے،رجائی نقطہ ءنظر اور حسنِ بیان نے اُردو شاعری کو نئے امکانات سے روشناس کرایا(۲۳)۔''

اقبال اُردو کی مزاحمتی شعری روایت مکمل احتجاجی شاعر کے طور پر سامنے آتے ہیں۔اُنھوں نے اُس دور میں مزاحمتی شاعری کی جب اُن کی قوم غفلت کی نیند سو رہی تھی جب وہ قوم اپنی خودی کو فراموش کر چکی تھی اقبال اپنی قوم کو ان الفاظ میں احساس دلاتے ہیں:

غافل نہ ہو خودی سے کر اپنی پاسبانی
شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ

اقبال نے اپنے مزاحمتی کلام کے ذریعے مغربی تہذیب کو بے نقاب کیا اور مسلمانوں میں ملی تشخص کو اُجاگر کیا۔ اُردو کی مزاحمتی شعری روایت میں اقبال کو اس لحاظ سے بھی اہم مقام حاصل ہے کہ اُنھوں نے ملی اور سیاسی انقلاب کو منظر عام پر لانے کے ساتھ ساتھ رجائیت کا پیغام دیا وہ اپنی قوم سے مایوس نہیں وہ پُرامید انداز میں کہتے ہیں:

نہیں ہے نا اُمید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹّی بڑی زرخیز ہے ساقی (۲۴)

اقبال کی مزاحمتی شاعری کے رجائی پہلوؤں سے اس دور کے ادب میں بہت سی نئی راہیں کھلیں اور اقبال نے اپنی مزاحمتی شاعری سے حیات کے افروز نغمے تخلیق کیے۔ اقبال اپنی شاعری میں عارضی گہما گہمی کے بجائے ابدیت کے قائل تھے۔ ایسی ابدیت جس کے سامنے تمام دنیاوی رفعتیں زمین بوس ہو جائیں۔

یہ امر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ اُردو شاعری کا وہ انقلابی لہجہ جو رومانی اور ترقی پسند تحریک سے وابستہ تخلیق کاروں کا وصفِ خاص رہا اس کی ابتدا بھی اقبال کی شاعری سے ہی ہوتی ہے۔ غرض مزاحمتی اُردو شاعری جن عناصر سے مل کر تیار ہوئی وہ پہلی بار باضابطہ طور پر اقبال کی شاعری میں ظہور پذیر ہوئے اور اس اعتبار سے اُردو کی مزاحمتی شاعری کی روایت میں اقبال کو مکمل مزاحمتی شاعر شمار کیا جاتا ہے۔

حواشی:

(۱) اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال (لاہور: عثمان پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)، ص ۲۵۔
(۲) ایضاً، ص ۱۹۶۔
(۳) اسلم ملک، تعلیماتِ اقبال (سیالکوٹ: علامہ اقبال فاؤنڈیشن، ۱۹۸۶ء)، ص ۹۳۔
(۴) اسلوب احمد انصاری، پروفیسر، اقبال کی تیرہ نظمیں (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۷ء)، ص ۷۸، ۷۹۔
(۵) خلیفہ عبدالحکیم، فکرِ اقبال (لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۸۸ء)، ص ۲۲۹۔
(۶) اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال (لاہور: عثمان پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)، ص ۳۱۳۔
(۷) افتخار احمد صدیقی، عروجِ اقبال (لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۸۷ء)، ص ۳۵۹۔۳۶۰
(۸) اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال، محوّلہ بالا، ص ۲۸۴۔
(۹) ایضاً، ص ۲۸۵۔
(۱۰) آلِ احمد سرور، اقبال اور اُن کا فلسفہ (لاہور: مکتبۂ عالیہ، ۲۰۰۹ء)، ص ۱۳۶۔
(۱۱) اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال، محوّلہ بالا، ص ۲۴۶۔
(۱۲) ایضاً، ص ۲۴۸۔
(۱۳) ایضاً، ص ۳۷۶۔
(۱۴) غلام حسین ذوالفقار، اقبال ایک مطالعہ (لاہور: اقبال اکیڈمی، ۱۹۸۷ء)، ص ۱۱۶۔

(۱۵) اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال، محوّلہ بالا، ص۳۷۶۔
(۱۶) اے۔ بی۔ اشرف، ڈاکٹر، شاعروں اور افسانہ نگاروں کا مطالعہ (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)، ص۱۱۱۔
(۱۷) اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال، محوّلہ بالا، ص۴۳۔
(۱۸) ایضاً، ص۴۶۔
(۱۹) ایضاً، ص۴۲۔
(۲۰) ایضاً، ص۸۷۔
(۲۱) ایضاً، ص۱۹۶۔
(۲۲) ایضاً، ص۲۳۳۔
(۲۳) اے۔ بی۔ اشرف، ڈاکٹر، شاعروں اور افسانہ نگاروں کا مطالعہ (لاہور: سنگ میل پبلشرز، ۲۰۰۹ء)، ص۱۱۹۔
(۲۴) اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال، محوّلہ بالا، ص۲۳۔

مآخذ:

اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال، لاہور: عثمان پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء۔
انصاری، اسلوب احمد، پروفیسر، اقبال کی تیرہ نظمیں، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۷ء۔
اے۔ بی۔ اشرف، ڈاکٹر، شاعروں اور افسانہ نگاروں کا مطالعہ، لاہور: سنگ میل پبلشرز، ۲۰۰۹ء۔
خلیفہ عبدالحکیم، فکرِ اقبال، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۸۸ء۔
سرور، آلِ احمد، اقبال اور اُن کا فلسفہ، لاہور: مکتبۂ عالیہ، ۲۰۰۹ء۔
صدیقی، افتخار احمد، عروجِ اقبال، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۸۷ء۔
غلام حسین ذوالفقار، اقبال ایک مطالعہ، لاہور: اقبال اکیڈمی، ۱۹۸۷ء۔
ملک، اسلم، تعلیماتِ اقبال، سیالکوٹ: علامہ اقبال فاؤنڈیشن، ۱۹۸۶ء۔